Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025

ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر طیبہ رباب ❋

بلھے شاہ کے اقبال پر اثرات

Bulleh Shah's Impacts on Iqbal

By *Dr. Syeda Tayyaba Rabab, Asst. Prof., Dept. of Urdu, Govt. Graduate College for Women, Karkhana Bazar, Faisalabad*

Abstracts

Nature arranges the creation and upbringing of some individuals with great planning.Bulleh shah is also one of such people.He found a very refined nature and a subtle temperament.it is no less than a blessing to have such a brilliant artist born in a literature.The world's vanity, the expression of facts and knowledge, along with the effectiveness of style, find their place in his poetry. If we examine the tradition of collective thought and art of the subcontinent, Bulleh Shah's poetry is a strong pillar of this tradition. The themes of unity of existence, self improvement, mysticism, real and imaginary love, avoidance of hypocrisy, divine knowledge, improvement of circumstances, awakening of the soul, vastness of the divine and observation of human psychology are common in his poetry. Iqbal was raised in a mystical environment, so all these intellectual elements influenced Iqbal's poetry. This article explores the intellectual and artistic elements of Bulleh Shah that influenced Iqbal.

Keywords: Negligence, Awakening, the Spinning Wheel, Secrets of Life, Universality, Introspection, Sectarianism, Self Purification, Righteousness, the Honor of Humanity, Time and Space.

❋ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج، کارخانہ بازار، فیصل آباد

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

کچھ افراد کی تخلیق و پرورش کا اہتمام قدرت بڑی منصوبہ بندی سے کرتی ہے۔ بابا بلّھے شاہ کا شمار بھی ایسے افراد میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بڑی نفیس طبیعت اور لطیف مزاج پایا ہے۔ کسی ادب میں ایسا باکمال فن کار پیدا ہونا کسی نعمت میں کم نہیں۔ یہ پنجابی ادب کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بابا بلّھے شاہ جیسا شاعر نصیب ہوا۔ دنیا کی بے مائیگی اور حقائق و معارف کا بیان، اسلوب کی تاثیر کے ساتھ ان کی شاعری میں جا گزیں ہے۔ اگر برصغیر کے اجتماعی فکر و فن کی روایت کا جائزہ لیا جائے تو بلّھے شاہ کی شاعری اس روایت کا ایک مضبوط ستون ہے۔ صوفیانہ فکر اس خطے کی پہچان ہی نہیں شان بھی ہے۔ شاعرانہ اظہار میں اس کی تاثیر دوچند ہو جاتی ہے۔ پنجابی صوفیانہ شاعری میں وحدت الوجود، اصلاحِ نفس، عرفانِ ذات، عشق حقیقی و مجازی، ریاکاری سے اجتناب، معرفتِ الٰہی، اصلاحِ احوال، وسیع المشربی، انسانی نفسیات کا مشاہدہ اور غفلت سے بیداری کے مضامین عام ہیں۔ یہ تمام موضوعات پنجابی شاعری کی روایت کا حصہ ہیں۔ اقبال نے پنجابی شاعری نہیں کی لیکن ان کی پرورش صوفیانہ ماحول میں ہوئی تھی اور اقبال کی مادری زبان بھی پنجابی تھی اس لیے بعید نہیں کہ پنجابی شاعری کے فکری عناصر، فکر اقبال پر اثر انداز ہوئے ہوں۔ بابا بلّھے شاہ کی شاعری میں غفلت سے بیداری کا مضمون شاعرانہ تاثیر کے ساتھ موجود ہے:

اُٹھ جاگ گھر اڑے مار نہیں
ایہہ سَون تیرے در کار نہیں[1]

غفلت سے بیداری اس کافی کا موضوع ہے۔ بلّھے شاہ مختلف پیرایوں میں بیان کرتے ہیں کہ یہ دنیا غفلت کی جگہ نہیں اور انسان کو اس خواب سے بیدار ہونے کی ضرورت ہے۔ سماجی مسائل ہر معاشرے کا حصہ رہے ہیں۔ تاریخِ انسانی میں کوئی بھی انسانی گروہ مثالی نمونہ نہیں تھا سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے، اس لیے تمام ادوار میں کم و بیش انسانی مسائل یکساں نوعیت کے تھے۔ انسان فطری طور پر سُست نہاد ہے لیکن اس کی کامیابی اور سرخروئی مسلسل محنت اور لگن سے وابستہ ہے۔ فطرت کو تسخیر کرنے سے یہ طاقت میسر آتی ہے جو انسان کو بیدار رکھتی اور اس میں ذوقِ زندگی پیدا کرتی ہے۔ سو ہر دور میں انسانیت کے ممتاز افراد انسانی فلاح کے لیے کوشاں رہے۔ بابا بلّھے شاہ کی مذکورہ بالا کافی میں وہ انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کی فطرت خام و ناپختہ ہے جسے پختہ کرنے کے لیے جہد مسلسل کی ضرورت ہے۔ اس دنیا کا انجام فنا ہے۔ انبیا علیہم السلام بھی اسی فنا کے اصول کے تحت اس دنیا سے رخصت ہوئے سو ہر انسان کو فنا کے مرحلے سے گزرنا ہے اور موت سے ہمکنار

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ہونا ہے لہٰذا غفلت سے بیدار ہو جاؤ کہ دنیا فانی ہے یہاں نیند در کار نہیں، اقبال کہتے ہیں:

اوّل و آخر فنا ظاہر و باطن فنا
نقشِ کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا[۲]

یہ کاروانِ زیست فنا کی طرف گامزن ہے۔ نیز اقبال نے اپنے انداز میں انسانیت کو خوابِ غفلت سے جگایا ہے۔ اس دور کے مسائل کے پیشِ نظر اقبال کا پہلا ہدف انسان کی بیداری تھا جس کی مثالیں ان کے اُردو فارسی کلام میں جابجا نظر آتی ہیں۔ یہ بیداری معاشرتی سطح پر بھی مقصود ہے اور انسانی سطح پر بھی خود ناشناسی اقبال کے نزدیک سب سے بڑی غفلت ہے جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسان اور سماج کے تمام مسائل کا باعث ہے۔ ''زبورِ عجم'' میں اقبال کی دل نشیں نظم کے حوالے سے انتہائی مؤثر ہے:

اے غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگراں خیز
کاشانۂ مارفت بتاراجِ غماں خیز
از نالۂ مرغ چمن، از بانگ اذاں خیز
از گرمیٔ ہنگامۂ آتش نفساں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز!
از خوابِ گراں خیز![۳]

''کرکتّن ول دھیان کُڑے'' بلّھے شاہ کی ایک اور کافی ہے۔ یہ ایک بیدار مغز انسان کا دردِ دل ہے جو پنجابی ثقافت کے رنگ میں رچا بسا ہے۔ بلّھے شاہ چرخے کے استعارے میں انسان کو فرصت کے لمحات سے مستفید ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ پنجابی ثقافت میں چرخہ کاتنا ابتدائی عمر میں سکھایا جاتا تھا جس سے خواتین سوت کات کر اتنا کپڑا تیار کر لیتیں جو آئندہ وقت میں کام آتا گویا وہ وقت کا صحیح استعمال جانتی تھیں۔ بلّھے شاہ اسی بروقت جدوجہد کو حاصلِ حیات سمجھتے ہیں ہر انسان کا چرخہ یعنی مقصدِ حیات الگ ہو سکتا ہے اس کی مصروفیت اور فرائض دوسرے انسانوں سے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اپنی قوت کا بروقت استعمال اس کی کامیابی کا ضامن ہے۔

چرخہ کاتنا ایک مشکل کام ہے لیکن یہ مشکل آئندہ زندگی کی مشکلات برداشت کرنے کی مشق کرواتی ہے۔ مشکل پسندی انسان کی خصلت اور طبیعت کو پختہ تر بنا دیتی ہے جس سے انسان سیلِ حیات کی روانی کے ساتھ چلنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

یہ چرخہ ایک انعامِ خداوندی ہے جو کسی نے قیمتاً نہیں خریدا بلکہ یہ زندگی کی عطا ہے، یہ وقت کی قدر کرنے کے مترادف ہے۔ اس کافی میں لڑکی کے خیر خواہ چرخے سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ یہ تمھاری خاطر بنا ہے۔ کھیل کود کم کرو اس کی طرف دھیان دو۔ تمھاری نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور تم اپنی شان اس سے بلند سمجھتی ہو۔ پھر تمھیں ایسا چرخہ نہیں ملے گا۔ تم نے یہ چرخہ کیوں گنوا دیا اور اسے خاک میں ملا دیا جب سے یہ تمھارے ہاتھ لگا ہے تم نے کبھی اس سے کام نہیں لیا، ابھی تو تمھیں نصیحت کرنے والے موجود ہیں جب اکیلی مصیبت میں مبتلا ہو گی تو پھر ہائے ہائے کرو گی، تم اپنا نقصان کر رہی ہو ابھی گھر میں کپاس آئی ہے، اب سوت کات لو تمھاری سہیلیوں نے کام کر لیا ہے اور تم حیران بیٹھی ہو، یہ میکہ چار دن کی راحد حانی ہے اسے کھیل کود میں ضائع نہ کرو۔ فارغ رہ کر گھر کی رونق ختم نہ کرو، یہ وقت سو کر ضائع نہ کرو، تم ہمیشہ میکے نہیں رہو گی، سسرال سے بھی واسطہ پڑے گا تم چرخہ کات لو، اپنے حصے کا کام کر لو تو پھر تمھیں اختیار ملے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں پرائے گھر جا کے پچھتانا پڑے آج تم لااُبالی ہو، بے غم ہو، اپنا کام نہیں کرتی، کل کیا کرو گی۔ جب کوئی سہیلی بھی ساتھ نہیں ہو گی، انھوں نے اپنا چرخہ کات لیا ہو گا۔ پھر تم اکیلی نہ کر سکو گی۔ آج تمھیں جوانی کا مان ہے۔ حسن کا غرور ہے، یہ دنیا جھوٹی ہے، فانی ہے، اس کا نام و نشان مٹ جائے گا، اس لیے اپنا کام وقت پر کر لو، چرخے پر دھیان دو، اس کافی کا اختتام دعوتِ فکر ہے۔ بلّھے شاہ نے چرخے کو ایک وسیع کینوس پر پھیلا دیا ہے، ہر بند میں چرخے کی معنویت بدل جاتی ہے۔ چرخہ مقصدِ حیات ہے اور حاصلِ حیات بھی، زندگی کا مرکز و محور ہے۔ چرخہ وقت کا دھارا ہے۔ ساری زندگی چرخے کے ارد گرد گھوم رہی ہے۔ بلّھے شاہ نے اس استعارے میں انسان کو اصلاحِ احوال کی طرف مائل کیا ہے۔ محنت، مشقت اور سخت کوشی انسان کی سرخروئی کا باعث ہے جو اسے مشکل میں استقامت عطا کرتی ہے۔ سب رشتے ناتے بھی اسی سخت کوشی کی تلقین کرتے ہیں "کڑے" کا لفظ اس امر کا غماز ہے کہ یہ جہدِ حیات جوانی سے منسوب و مربوط ہے۔ عالم شباب میں اپنی قوت کا صحیح استعمال انسان کی کامیابی کا ضامن ہے، اقبال کہتے ہیں:

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں[۶]

اس کافی کے آخر میں بلّھے شاہ نے اس تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے جو رازِ حیات بھی ہے اور رمزِ حیات بھی کہ ایک ایسا وقت آتا ہے جب ہر رشتہ ختم ہو جاتا ہے صرف ایک ذات باقی رہ جاتی ہے جو سفینۂ حیات کو پار لگاتی ہے

اس لیے تمھیں چرخہ کات کے خود کو اس مشکل وقت کے لیے تیار کرنا ہے۔ جہدِ حیات ہی تمھاری کامیابی کی دلیل ہے، چرخے کا ہر بند، کامیابی کا ایک زینہ ہے جو ہوشمندی، شعور و آگہی سے سر ہو گا اور آخر یہ منزل آجائے گی:

اک اوکھا ویلا آوئے گا
سبھ ساک سین بھج جاوے گا
کر مدد پار لنگھاوے گا
اوہ بلّھے دا سلطان کُڑے
کر کتّن ول دھیان کُڑے[۵]

یہاں پر اقبال اور بلّھے شاہ کی فکر ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ اسلوب دونوں کا منفرد ہے۔ بلّھے شاہ نے فن کے جواہر دھرتی کے سینے سے چنے ہیں، اُن کا انداز کلاسیکل ہے۔ انھوں نے ثقافتی پس منظر میں عام لوگوں کے تجربۂ حیات میں گہری معنویت پیدا کر کے رمزِ حیات سمجھانے کی کوشش کی ہے اور کافی کا اختتام امرِ معرفت پہ کیا ہے۔ یہاں چرخے کی معنویت آفاق کی وسعتوں پہ حاوی ہے۔ بلّھے شاہ زبانی کلامی مسلمانی یعنی ریاکاری کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ ان کا مستقل موضوع ہے۔

اقبال بھی ریاکاری اور ظاہری لبادے کو حقیقتِ اسلام نہیں سمجھتے، منافقت پر طنز، شاعری کی روایت ہے۔ ظاہر پرست لوگ، جنھیں شاعری میں واعظ، ملا، ناصح یا شیخ کے القاب سے یاد کیا گیا ہے، دین اسلام کی معرفت نہیں رکھتے۔ ان کے پاس دکھاوے کا اسلام ہے جسے یہ طبقہ اپنے مفادات کے لیے استعمال کرتا ہے یا جو بھی فرد اسلام یا شعائر اسلامی کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرے وہ انھی القابات سے پکارا جاتا ہے۔ ان کے پاس صرف دین اسلام کا ظاہر ہے یہ اسلام کو رسومات تک محدود جانتے ہیں اور اس کی روحِ حیات سے واقف نہیں۔ ان کی روح، روحِ اسلام سے ہم آہنگ نہیں ہوتی۔

دینِ اسلام اور روحِ اسلامی دراصل روحِ حیات ہے۔ شعائرِ اسلامی کی روح کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہی مسلمان کی شان ہے نہ کہ نیک نامی کی خاطر عبادات کرنا، اعمال کا دارامدار نیتوں پر ہے:

مکے گئیاں گل مکدی ناہیں، جچر دلوں نہ مکائیے
گنگا گئیاں تے پاپ نہیں جھڑ دے، بھانویں سو سو غوطے لائیے[۶]

مکّہ جو مسلمانوں کا مقدس مقام ہے طوافِ کعبہ، حج اور عمرہ مکہ سے منسوب ہے جو گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے

بلّھے شاہ کہتے ہیں کہ عبادات سے انسان کی خلاصی نہیں ہوتی نہ یہ ذریعۂ نجات ہیں خواہ یہ عبادت حج و عمرہ ہی کیوں نہ ہو اگر دل مسلمان نہیں، نیت نیک نہیں تو یہ عبادت بھی لاحاصل ہے، محض دکھاوا ہے، فریبِ نفس ہے، اقبال کہتے ہیں:

خرد نے لا الٰہ پڑھ لیا تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں[۷]

بلّھے شاہ نے دوسرے مصرعے میں ہندوؤں کی عبادت کا ذکر کیا ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ گنگا میں نہانے سے انسان پاک ہو جاتا ہے اس کی آلائشیں دُھل جاتی ہیں۔ بلّھے شاہ کہتے ہیں کہ گنگا میں نہانا کافی نہیں بے شک سو بار غوطہ لگاؤ۔ یعنی مسلمان ہو یا ہندو بڑی سے بڑی عبادت اسے پاک نہیں کر سکتی جب تک اس کی نیت خالص نہ ہو۔ ہندو مسلم عقیدے کا اکٹھا ذکر بلّھے شاہ کی وسیع المشربی کا ثبوت ہے۔ اکثر عظیم شعرا وسیع المشرب ہی ہوتے ہیں چونکہ اس خطے میں ہندو مسلم اکٹھے رہتے تھے لہٰذا دونوں کو موضوع بنایا ہے۔ اپنے عقیدے کے ساتھ مخلص ہونا اور دل و جان سے اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی ایمان کی اصل ہے۔ مرزا غالب نے اسے ''وفاداری بشرطِ اُستواری'' سے تعبیر کیا ہے اور اقبالؒ نے ''عشق'' سے ان کے نزدیک عشق ایک ایسی قدرِ مشترک ہے جو ہر انسان کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب و ملّت سے ہو۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق[۸]

یہاں پر عشق وہ جذبۂ صادق ہے جو وفاداری سکھاتا ہے اور روح کو مائل بہ ارتقا رکھتا ہے۔ یہی اقبال کے نزدیک روحِ اسلام ہے۔ ہماری اعلیٰ شاعری کی روایت، خواہ اردو ہو، پنجابی یا فارسی، ریاکاری کی مذمت سے بھرپور ہے۔

فرقہ پرستی نے اسلامی معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر دیں ہیں اور اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ حادثہ یہ ہے کہ فرقہ واریت آج کا مسئلہ نہیں بلکہ ہمیشہ ہی مسلم معاشرے کے لیے یہ مسئلہ عفریت بنا رہا۔ کبھی حکمران اپنے مفادات کی خاطر مسلمانوں کو آپس میں لڑواتے اور کبھی بیرونی طاقتیں لیکن ہر دور میں روشن خیال اور روشن نظر طبقہ اس کی مخالفت کرتا رہا۔ بلّھے شاہ کے کلام میں بھی فرقہ واریت کی نفی ہے:

کتے شیعہ اے، کتے سنّی اے
کتے جٹا دھاری، منّی اے

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025 ❄ ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

میری سبھ توں فارغ گئی اے
جو کہواں یار منیندا
مینوں عشق ہلارے دیندا
مونہہ چڑھیا یار بلیندا[۹]

وہ خود کو فرقہ بازی سے بلند تر سمجھتے ہیں،ان کا عشق صادق ہے اور محبوب کا قرب میسر ہے۔بلّھے شاہ کا دعویٰ ہے کہ میں جو کہوں محبوب وہ مانتا ہے۔ اس لیے فرقہ بندی جیسے چھوٹے جھگڑوں سے خود کو بے نیاز رکھتے ہیں۔ اقبال مسلمانوں کی اجتماعی صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں اتحاد کی ضرورت ہے نظم ”جوابِ شکوہ“ کے ایک بند میں انھوں نے یہی کہا ہے کہ اس قوم کا نفع نقصان ایک ہے، سب دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، سب کا حرم، خدا اور قرآن ایک ہی ہے تو کیا مسلمانوں کا ایک ہو جانا بہت بڑی بات ہے؟ کیوں فرقہ بازی اور ذات پات میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا زمانے میں آگے بڑھنے کا یہ طریقہ ہے؟اقبال اتحادِ بین المسلمین پر زور دیتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر[۱۰]

بلّھے شاہ کی کافی ”مونہہ آئی بات نہ رہندی ہے“ وسیع مفہوم کی حامل ہے۔اس کا آغاز سچ اور جھوٹ کے نفع و ضرر سے ہوتا ہے۔ سچ اپنے اظہار کا وسیلہ خود تلاش کر لیتا ہے اور چھپائے نہیں چھپتا اگرچہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ جھوٹ سے مفادات ملتے ہیں اور سچ آگ لگا دیتا ہے لیکن زبان کی خوب صورتی،اس کا حسن اُس میں ہے کہ رسمِ دنیا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سچ کہا جائے۔ اقبال اس حقیقت کو اپنے دور کے تناظر میں یوں بیان کرتے ہیں:

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہِ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند[۱۱]

اقبال کے دور میں عوام کے دو طبقے ہیں ایک وہ جو بظاہر دیندار ہیں لیکن حق کی شناخت سے قاصر ہیں۔یہ ان کی ذہنی نارسائی کے سبب ہے اور دوسرا طبقہ تہذیبِ مغرب کی تقلید میں دل و جان اور روح سے عاری ہے۔یہ مادہ پرست

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

طبقہ ہے اور صرف زندگی کے ظاہری روپ کو دیکھتا ہے اس لیے مادیت پر مرمٹا ہے۔ روحِ حیات اور روحانی اقدار سے دوری کے سبب تہذیبی غلامی کا شکار ہے اور غلام بے شعور ہوتا ہے اس کی عقل کام کرتی ہے نہ ہی اس کی کوئی رائے ہے۔ یہ سچ کو سچ کہنے کی جرأت نہیں رکھتا لیکن اقبال صاحبِ نظر ہیں اور صاحبِ فہم بھی اس لیے حق گوئی کی عظمت سے آگاہ ہیں اور اسے شرفِ انسانی کا باعث سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جواں مردِ حق گو اور بے باک ہوتے ہیں انھیں لومڑ کی سی چالاکی اور مکاری نہیں آتی۔ یہ صفت ابن الوقت میں پائی جاتی ہے جو اپنی مکاری و عیاری سے اپنا مطلب نکالتا ہے۔ یہ ضمیر فروش کردار ہے جبکہ اقبال باضمیر ہیں ان کا تعلق کسی مفاہمی اور مفاد پرست طبقے سے نہیں اس لیے حق گو ہیں۔ اسی سچائی نے ان کے اپنوں اور بے گانوں کو ناراض کر کے زندگی میں زہر گھول دیا ہے جسے وہ جامِ شیریں نہیں کہہ سکتے۔ یہ حق گوئی کا نتیجہ ہے دنیا اور اہلِ دنیا کو خفا کر کے صداقت کا پرچار کرنا عظیم لوگوں کا شیوہ ہے۔

بلّھے شاہ کی کافی میں اگلے ہی بند میں سچ کا ایک نیا مفہوم سامنے آتا ہے جو صداقت کی معنویت کو بے کنار کرتا ہے۔ یہاں اسرارِ حیات کو زبان تک لانے کا مضمون ہے۔ بلّھے شاہ اس حق گوئی میں ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ اس سے کوئی انسان دکھی نہ ہو جائے کیونکہ ہر انسان خدا کا جلوہ ہے کہیں ظاہر کہیں پوشیدہ اس لیے احتیاط ضروری ہے۔ بلّھے شاہ اس کافی میں مزید اسرار عیاں کرتے ہوئے دنیا کی حقیقت بتاتے ہیں کہ یہ دنیا ایک ایسے صحن کی طرح ہے جس میں اندھیرا ہو اور کیچڑ بھی، ہر لمحہ پھسلنے کا خطرہ ہے۔ گویا زندگی کے مادی لوازمات میں دلچسپی پاؤں پھسلنے کا سبب بن سکتی ہے جو انسان کو جہدِ حیات سے باز رکھ کر اپنے آپ میں الجھا لیتی ہے اور اسے منزلِ مقصود سے غافل کر دیتی ہے۔ بلّھے شاہ کہتے ہیں اس دنیا میں کھو نہ جاؤ بلکہ اپنے من میں جھانک کر دیکھو تمھارے اندر کون ہے یہی تمھارا مقصودِ حیات ہے، یہ ایسا راز ہے جو ان کی زباں پر آ گیا ہے کہ راز ایک مدت کے بعد خود اظہار کا وسیلہ تلاش کر لیتا ہے اقبال بھی اس راز کو عیاں کرتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن[۳۱]

اقبال کے نزدیک من کی دولت ہاتھ آجائے تو ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ انسان کو اس کی حقیقت سے آشنا کرتی ہے۔ شرفِ انسانیت سے متعارف کرواتی ہے جبکہ مادی دنیا سائے کی طرح ہے جو آتا جاتا رہتا ہے۔ اس کی کوئی مستقل

حیثیت نہیں۔ من کی دنیا میں کسی غیر کی حکومت نہیں ہوتی۔ یہ دولت جس کے ہاتھ آجائے وہ کسی غیر کے آگے نہیں جھکتا۔ بلّھے شاہ بھی من میں جھانک کر اسی متاعِ بے بہا کو پانے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس من کی دنیا کے مختلف روپ ہیں کہیں ناز و ادا ہے، کہیں ہجر و وصال، کہیں نور کا ظہور ہے، کہیں کوہِ طور، کہیں دارِ منصور، بلّھے شاہ کہتے ہیں کہ اگر میں سارے اسرار بیان کر دوں تو تم ورطۂ حیرت میں آجاؤ زیادہ بحث کا فائدہ نہیں، عقل کو مخاطب کرتے ہیں کہ آؤ اور مجھے آدابِ جنوں سکھلاؤ کہیں دیوانگی میں، میں سب کچھ نہ کہہ دوں، یہ ایسے اسرارِ حیات ہیں جن سے بلّھے شاہ کی رنگت زرد ہو گئی ہے، انھیں دنیا ومافیہا کا ہوش نہیں رہا، وہ راز کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ یہ کافی معرفت کا سمندر ہے، کچھ نہ کہنے میں سب کچھ کہہ گئے ہیں۔ یہ اسرارِ حیات اور روحِ انسانی کا ایسا دفتر ہے جس کے ہر صفحے پر ایک نیا راز ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بلّھے شاہ مسلمانی کی رمزِ معرفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بھل　خدا　نوں　جان　خدائی
بتاں　آگے　سیس　نوائی
جیہڑے　گھڑ　کے　آپ　بنائی
شرم　رتا　نہ　آئی　اے
گل　رولے　لوکاں　پائی　اے[۳۱]

بلّھے شاہ کہتے ہیں کہ تم نے خدا کو چھوڑ کر خدائی کو تھام لیا اور ان بتوں کے آگے آہ و زاری کرتے ہو جو تم نے خود بنائے ہیں لیکن شرم محسوس نہیں کرتے لوگوں نے دنیا کے شور شرابے میں تصورِ توحید کھو دیا ہے۔
اقبال کہتے ہیں:

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے[۳۲]

انسان کا مقصود تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تھا لیکن انسان ایسا غافل ہے کہ اسے چھوڑ کر دور دراز کے اندیشوں میں کھو گیا دنیا کی خواہشات اور امیدوں کا سلسلہ طویل ہوتا چلا گیا اس سلسلے کے جھگڑے اتنے طویل ہو گئے کہ انسان انھیں میں الجھ کر رہ گیا اور انھیں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ سارا کیا دھرا خود لوگوں

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

ہی کا ہے، یہ خواہشاتِ نفسانی کے جال میں اُلجھ گئے اور دنیاداری کو مقصود سمجھ بیٹھے حالانکہ انسان کا مقام تو اس سے کہیں بلند تھا اقبال اپنے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں[۱۵]

اقبال کے نزدیک انسان کا سفر تو زماں و مکاں سے بھی ماوریٰ ہے، لامتناہی ہے، اس لیے اسے سطحی مقاصد میں نہیں الجھنا چاہیے ورنہ اس کے امکانات محدود ہو جائیں گے۔

بلّھے شاہ نے اپنے کلام میں اس علم کی نفی کی ہے جو مادی مفادات کی خاطر حاصل کیا جائے۔ جس کے صرف خارجی فوائد ہوں، انسان کے باطن پر اور اس کی روح پر اثر انداز نہ ہو، جو انسان کے ضمیر کو اور اس کے باطن کو روشن نہ کر سکے، جو صرف شکم پرستی کا ساماں فراہم کرے۔ یہ علم انسان کو فریبِ نفس کا شکار کرتا ہے۔ اسی باعث وہ مذہب کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے، جہاں تک اس کا مفاد ہے وہاں تک وہ دین کو قابلِ عمل قرار دیتا ہے اور اس سے آگے اپنی مرضی کی تاویلیں پیش کرتا ہے۔ اس کی عبادت ریاکاری ہے۔ اور واعظ و نصیحت ایک افسانہ:

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں
اُچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر تے چڑھ واعظ پکاریں
کیتا تینوں علم خوار
علموں بس کریں او یار[۱۶]

بلّھے شاہ کہتے ہیں کہ علم نے تمھیں سچ بولنا نہیں سکھایا بلکہ تم نے منافقت کا لبادہ اوڑھ لیا ہے تمھارے کئی روپ ہیں۔ تمھارے قول و فعل اور ظاہر باطن میں تضاد ہے، تم اندر سے کھوٹے ہو اور باہر سے سُچے موتی کی طرح نظر آتے ہو۔ تمھارا علم تمھیں عادل نہیں بناتا، بے شک تم قاضی وقت کے عُہدے پر فائز ہو جاؤ۔ اللہ تو خلوص سے خوش ہوتا ہے۔ کتابوں کے انبار سے نہیں تمھارا علم تزکیۂ نفس کا وسیلہ نہیں تم علم کا مقصود نہیں پا سکے۔ اس رسمی علم

نے تمھیں اندھا کر دیا ہے تمھیں کھرے کھوٹے کی پہچان نہیں رہی۔ علم تو عزازیل کے پاس بھی تھا۔ اس نے عبادت بھی بہت کی تھی لیکن اس کا خانہ خراب ہوا، اس کے حصے میں لعنت آئی اور وہ دو جہان میں رسوا ہو گیا۔ آخر میں بلّھے شاہ عشق کی علم پر فوقیت ثابت کرتے ہیں۔ عشق پار لگاتا ہے، انسان کو خالص بناتا ہے اور قربِ الٰہی کا سبب ہے۔

"بلّھے شاہ نے نہایت سادہ زبان اور بڑے عام فہم اسلوب میں زندگی کی عمیق ترین اور بلند ترین حقیقتیں کہہ دی ہیں اور چونکہ وہ حقیقتیں اُن کے لیے صرف قال نہیں بلکہ حال کا درجہ رکھتی تھیں۔ اس لیے اس ضمن میں وہی کہا ہے جو اپنے اوپر گزرا اور جس کا انھوں نے خود تجربہ کیا۔ چنانچہ اس میں تاثیر بھی ہے اور اظہارِ بیان کی خوب صورتی اور دل کشی بھی۔ اس لحاظ سے وہ ایک صاحبِ بصیرت صوفی بھی ہیں اور ایک کامل فن کار بھی۔ اس میں بلّھے شاہ کی عظمت کا راز ہے اور اسی وجہ سے اُن کی کافیاں زندہ جاوید رہیں گی۔"[۱۷] اقبال کا نظریۂ علم دورِ حاضر کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی تناظر میں تشکیل پاتا ہے۔ ان کے نزدیک جدید اور قدیم دونوں طریقہ ہائے تعلیم تنگ نظری اور غلامی کا باعث بن رہے ہیں۔ مدرسوں کی رسمی مذہبی تعلیم فرقہ پرستی سکھاتی ہے اور جدید تعلیم خودی کو ختم کر کے مغرب کے غلام پیدا کرتی ہے۔ خالص علم کے متعلق نظریات میں اقبال بھی یہی سمجھتے ہیں کہ علم عقل کو بڑھاتا ہے مادی زندگی کے اسباب فراہم کرتا ہے جبکہ عشق منزل تک لے جاتا، باطن کو روشن کرتا اور قربِ الٰہی کا باعث بنتا ہے اپنی نظم علم و عشق میں اقبال کہتے ہیں:

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین وظن! کرمِ کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب[۱۸]

اقبال کے نزدیک عشق کی حرارت سرگرم عمل رکھتے ہوئے کائنات تسخیر کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ علم صرف صفت کا مظہر ہے جبکہ عشق ذات کا نظارہ فراہم کرتا ہے۔ عشق سے روحِ انسانی کو قرار ملتا ہے، علم بے سکونی پیدا کرتا ہے۔ عشق زندگی اور موت کے اسرار سے آگاہ ہے۔ علم سوال پیدا کرتا ہے جبکہ عشق میں ہر سوال کا جواب پنہاں ہے۔ عشق فقر و سلطنت کا راکب ہے۔ زمان و مکاں، زمین و آسماں، عشق کی زد میں ہیں۔ عشق یقین کی دولت سے مالامال ہے اور کامیابی کا ضامن ہے۔ عشق مسلسل محوِ سفر ہے، طوفانوں سے ٹکرانے کا

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

حوصلہ رکھتا ہے۔ بجلی بن کر گرجتا ہے لیکن حاصل کی لذت کو اپنی توہین سمجھتا ہے، کوئی منزل عشق کی آخری منزل نہیں۔ علم کتابوں کا محتاج ہے اور عشق کتاب کا خالق ہے۔ دونوں مشاہیر کا نظریہ علم و عشق خاصی مماثلت رکھتا ہے۔ ''ان کے کلام میں عشقِ الٰہی، حق گوئی، بے باکی اور راست کرداری صاف طور پر عیاں ہوتی ہے۔ توحیدِ باری تعالیٰ اور عشقِ حقیقی ان کی شاعری کا بنیادی موضوع ہے اور اس موضوع کو انھوں نے نئے متنوع انداز سے پیش کیا ہے۔''[۱۹]

بلّھے شاہ کا عشق مضطرب، بے قرار اور بے چین ہے یہ ایک دردِ مسلسل ہے جو عاشق کو بے حال کیے ہوئے ہے۔ اس کی مہار جذبِ عشق ہے۔ ''عشق ہمیشہ نیا اور تروتازہ ہوتا ہے۔ اس کے ظہور کی عجیب سی شان ہے۔ یہ رسموں رواجوں کا دشمن ہے۔ عشق جب کسی عابد میں ظاہر ہوتا ہے تو وہ عبادت گاہوں میں جانا ترک کر دیتا ہے۔ اس کی عبادت گاہ خود اس کا اپنا جسم ہوتی ہے جس کے اندر وہ نورِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ عاشق کے دل سے تیرے میرے کا فرق مٹ جاتا ہے اور اس کا دل ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ وہ ہر شے کے اندر اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔''[۲۰] عشق کا درماں بھی عشق ہے۔ یہ عشق ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے کائنات پر حاوی ہو جاتا ہے۔ عشق نیزے پر سر چڑھاتا اور امام حسینؑ کو یزید سے لڑواتا ہے۔ اس عشق کی معرفت ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں۔ اسی باعث عشق کو تکفیریت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بلّھے شاہ کہتے ہیں:

بلھیا عاشق ہویوں رب دا ہوئی ملامت لاکھ
تینوں کافر کافر آکھدے تو آہو آہو آکھ[۲۱]

بلّھے شاہ کا جذبِ عشق جو ''تھیا تھیا'' کرتا ہے۔ اقبال کے ہاں بھی ریشے ریشے میں سما جاتا ہے۔ کائنات کا ہر انگ اسی رنگ میں ڈوب جاتا ہے اور یہ رازِ حیات بن کر رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے۔ اقبال کا عشق اعلیٰ اہداف کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسی کے سوز و حرارت سے کاروانِ حیات رواں دواں ہے یہ مٹی کو اکسیر بناتا اور کائنات کے ذرے ذرے کو ذوقِ نمود بخشتا ہے۔

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بدم[۲۲]

عشق روحِ انسانی کو اتنا بلند و بالا کر دیتا ہے کہ صاحبِ عشق اہدافِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ صاحبِ عشق اقبال کا مردِ مومن ہے جو اللہ کا ہاتھ بن کر کارکشائی کی قوت رکھتا ہے۔ یہ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہے رزم و بزم میں

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

پاکباز، اس کا دل دو جہاں سے بے نیاز ہے۔ گرمیٔ محفل اور وجہِ ہنگامہ کائنات یہی صاحبِ عشق ہے جو تاریخِ انسانی میں مختلف صورتوں میں ظہور پاتا رہا۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق[۲۳]

دونوں مشاہیر کے ہاں عشق کی تپش و حرارت، آفاقیت اور وسعت یکساں ہے۔بلّھے شاہ کے کلام میں عرفانِ ذات کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ وہ تجاہلِ عارفانہ سے سوال کرتے ''بلھیا کی جاناں میں کون'' یہ کافی خودشناسی کی بہترین مثال ہے۔ وہ مختلف انسانی طبقات اور ان سے متعلقہ امور کو اس سوال کا موضوع بناتے ہیں کہ میں کون ہوں یعنی انسان کی پہچان اس کے پیشے سے منسلک نہیں نہ اسے طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ خانوں میں بٹ سکتی ہے اور نہ انسان کا ظاہری سراپا یا وجہِ نام و نمود اس کی پہچان ہے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے انسان آخر ہے کون؟ نہ تو یہ نیک ہے نہ سراپا بدی ہے، انسان وہ نہیں جو خود کو مومن سمجھتا ہے اور باقاعدگی سے مسجد جاتا ہے نہ ہی یہ کفر کی روایت پر کاربند ہے، نہ تو پاک سرشت ہے اور نہ ہی مطلقاً ناپاک موسیٰؑ و فرعون انسان کی پہچان نہیں یہ تو محض کردار ہیں۔ اس کافی کے ہر بند میں بلّھے شاہ عرفانِ ذات کا ایک اور دریچہ وا کرتے ہیں انسان کی پہچان نہ تو اس کے علم سے ہوتی ہے نہ مستی ہے نہ رندی سے نہ ہوشیاری سے، نہ خوشی و غم سے اور نہ اس کے عناصر ترکیبی مٹی، پانی، آگ اور ہوا سے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے عناصر جو ترکیب پایا ہے یہی انسان ہے۔بلّھے شاہ اپنے مردِ عارف کو آفاقیت سے ہمکنار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نہ میں عربی، نہ لاہوری
نہ میں ہندی شہر نگوری
نہ ہندو نہ ترک پشوری
نہ میں رہندا وچ نکدون
بلھیا کیہ جاناں میں کون[۲۴]

انسان کو مذہب، رنگ و نسل، قومیت یا علاقیت میں محدود نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ تو خدا کا مظہر ہے۔ اسے اپنی حقیقت کو پہچاننا ہے گویا شناخت کے مروج اصول بلّھے شاہ کی نگاہِ بصیرت میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے اس لیے ہر بند میں وہ تجاہلِ عارفانہ سے سوال کرتے ہیں کہ میں کون ہوں اور آخری بند میں یہ اسرار کھلتا ہے:

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025

ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

اوّل آخر آپ نوں جاناں
نہ کوئی دوجاں ہور پچھاناں
میتھوں ہور نہ کوئی سیانا
بلھا! اوہ کھڑا ہے کون
بلھیا کِیہ جاناں میں کون[۲۵]

بلّھے کی توجہ اپنی ذات پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ دوئی کے تمام نقش مٹ جاتے ہیں۔ احساسِ ذات اپنی اہمیت کا احساس دلاتا ہے۔ یہ اثباتِ وجود کا مرحلہ ہے جو انسانیت کی اصلیت کو بلّھے شاہ کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور اپنے قاری کو شاعرانہ لطافت میں اس راز سے آشنا کرتے ہیں کہ تمھاری پہچان خود تمھاری ذات سے وابستہ ہے بس اس کو پہچان تو کسی دوسرے کو پہچاننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یہی اقبال کا تصورِ خودی ہے۔ یہی اثباتِ وجود اور احساسِ نفس اقبال کے ہاں خود شناسی کی بنیاد بنتا ہے۔ گویا بلّھے شاہ نے صدیوں پہلے فکرِ اقبال کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔
بلاشبہ بابا بلّھے شاہ ایک عظیم فن کار ہیں جو آنے والے دور میں فکر و شعور کی نئی منزلیں متعین کر رہے ہیں اور مستقبل کے عظیم فن کار کی ان سے اثر پذیری مسلّم ہے۔

حواشی

۱۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، مرتب: محمد آصف خاں، (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۶ء)، ص: ۶۴

۲۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء)، ص: ۱۰۰/۸۴

۳۔ ایضاً، ایضاً، فارسی، ایضاً، ۱۹۹۴ء، ص: ۳۹۴/۵۰

۴۔ ایضاً، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص: ۴۴۷/۱۲۳

۵۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، ص: ۲۵۵

۶۔ ایضاً، ص: ۵۰۵

۷۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص: ۵۴۷/۴۷

۸۔ ایضاً، ص: ۳۷۰/۴۶

۹۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، ص: ۳۶۶

۱۰۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۲۹۵/۲۷۹
۱۱۔ ایضاً، ص:۳۵۷/۳۳
۱۲۔ ایضاً، ص:۳۶۷/۴۳
۱۳۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، ص:۲۸۴
۱۴۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۳۷۹/۵۵
۱۵۔ ایضاً، ص:۳۹۰/۶۶
۱۶۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، ص:۲۲۸۔۲۲۹
۱۷۔ محمد سرور، پنجابی ادب، (کراچی: ادارہ مطبوعاتِ پاکستان، س ن)، ص:۴۷۔۴۸
۱۸۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۵۳۲/۳۲، ۵۳۳/۳۳
۱۹۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی، پنجابی زبان و ادب، (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۸۸ء)، ص:۱۵۴
۲۰۔ محمد حبیب القادری، سیرت بابا بلّھے شاہ، (لاہور: اکبر بک سیلر، س ن)، ص:۱۱۶
۲۱۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، ص:۱۰۰
۲۲۔ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (اُردو)، ص:۳۶۸/۴۴
۲۳۔ ایضاً، ص:۴۳۹/۱۱۵
۲۴۔ بلّھے شاہ، آکھیا بلّھے شاہ نے، ص:۱۰۲
۲۵۔ ایضاً، ص:۱۰۳

مآخذ

۱۔ اقبال، محمد، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبال (اُردو)، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء
۲۔ ____، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ____، ۱۹۹۴ء
۳۔ القادری، محمد حبیب، سیرتِ بابا بلّھے شاہ، لاہور: اکبر بک سیلر، س ن
۴۔ سرور، محمد، پنجابی ادب، کراچی: ادارہ مطبوعاتِ پاکستان، س ن
۵۔ شاہ بلّھے، آکھیا بلّھے شاہ علیہ الرحمۃ نے، مرتب: محمد آصف خاں، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۶ء
۶۔ ہاشمی، حمید اللہ شاہ، پنجابی زبان و ادب، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۸۸ء

Bibliography:

1. Al-Qaderi, Muhammad Habib, *Sirat-e-Baba Bulleh Shah*, Lahore: Akbar Book Seller, n.d.

Bi-Annual URDU
Vol. 101, No. 1, Jan-Jun, 2025
ISSN: 2519-6332 (Print)
ISSN: 2708-1915 (Online)

2. Bulleh Shah, *Akhia Bulleh Shah nay*, Ed. by Muhammad Asif Khan, Lahore: Pakistan Punjabi Adabi Board, 2016
3. Hashmi, Hameedullah Shah, *Punjabi Zaban-o-Adab*, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 1988
4. Iqbal, Muhammad, Dr., *Kulliyat-e-Iqbal* (Urdu), Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1990
5. ____, *Kulliyat-e-Iqbal* (Persian), ____, 1994
6. Sarwar, Muhammad, *Punjabi Adab*, Karachi: Idara-e-Matbu’at-e-Pakistan, n.d.